

پروفیسر توقیر عالم قلاچی*

طلبہ کی شخصیت سازی میں اساتذہ مدارس کا کردار

اگر بچوں کے پہلے مدرسہ کا مقام یا پہلی تربیت گاہ کی حیثیت گھر کو حاصل ہے اور والدین کی شکل میں جسمانی اور ذہنی نشوونما میں دو اساتذہ کی سرپرستی انھیں حاصل ہوتی ہے تو مدرسہ یا دینی جامعہ کو وہ مقام حاصل ہے جہاں کے مخصوص ماحول میں متعدد علوم و فنون کے ماہر اساتذہ اخلاص و وسوسہ کی ساتھ طلبہ کی جامع شخصیت کی تیاری میں مشغول و منہمک ہوتے ہیں۔ دین اسلام کے سچے اور مخلص نمائندہ بنانے کے ساتھ ساتھ گھر، خاندان، قوم، ملک بلکہ پوری انسانی برادری کی خیر و فلاح کے لیے ان کے اندر وہ لعل و گہر پیدا کرتے ہیں جو دنیا کے بازار میں انھیں اہمیت کا حامل بنا دیتے ہیں اور موت کے بعد کی ازلی زندگی میں بے مثل اور لاقانی مسرتوں کا استحقاق پیدا کر دیتے ہیں۔

اسلام قولی سے زیادہ عملی مذہب ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کی شاندار عمارت جن پانچ ستونوں پر قائم ہے (۱) ان میں تو حید فکری یا نظریاتی بنیاد ہے، جسے ایمان و عقیدہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اس کے علاوہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، یہ چاروں بنیادیں عملی ہیں۔ یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ ایمان و عقیدہ وہ عظیم الشان بنیاد ہے جس کے بغیر یہ چاروں بنیادیں بے حقیقت ہو جاتی ہیں لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اعمال کے ذریعہ ہی ایمان و عقیدہ کا ثبوت ملتا ہے اور اگر اعمال نہیں ہیں تو ایمان و عقیدہ دعویٰ محض سے بڑھ کر کچھ اور نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت کے نزدیک یہ بات انتہائی گہناؤنی قرار پاتی ہے کہ ایک شخص ایمان کا مدعی ہو اور قول کا غازی تو بننا ہو لیکن اس کے مطالبات و مقتضیات سے غفلت برتا ہو۔ یہ ارشاد خداوندی اس صداقت پر شاہد عدل ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ. (۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم لوگ وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی سنگین بات ہے کہ تم لوگ وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔

مدارس سے وابستہ امیدیں

مدارس میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات قوم و ملت کا بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔ انہی سے یہ توقعات وابستہ کی جاتی ہیں کہ وہ مدارس کے مخصوص ماحول میں تربیت پا کر معاشرہ اور قوم و وطن کے لیے ایسے کوہر بنایاب بنیں گے جو حق و صداقت، عدل و انصاف، اخوت و محبت اور ہمدردی و مساوات کی فضا کو عام کریں گے اور سینات و منکرات کے خلاف محاذ آرا ہوں گے۔ چونکہ دعوت و تبلیغ کا کام مدارس کے وجود کی ضمانت ہے اور یہی مقدس عمل امت مسلمہ کے ہر فرد کی شناخت ہے۔ مدارس میں تعلیم پانے والے طلبہ اور طالبات اس کے سب سے زیادہ مکلف ہیں کہ وہ اس کارِ عظیم کو اپنی شناخت کا ضامن قرار دے کر اپنی صلاحیتوں کی افزائش کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل رہیں۔

تاریخ شاہد کے کہ دین اسلام نے ایک زندہ دین کی حیثیت سے عرب و عجم اور شرق و غرب میں اپنی حیثیت متواتر، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے علم برداروں نے کردار و عمل کی تلوار سے مدعو اور مخاطب کے قلب و ضمیر کو چھنچھوڑا اور ہدایت کی پیاسی انسانیت نے اسی امتیازی وصف کی بنیاد پر اس کے اندر مقناطیسیت کی صفت پائی اور اللہ کے دین کے وہ پاسبان بن گئے۔

دعوت دین ایک موثر فریضہ

دعوت دین کی آبیاری میں کردار و عمل ہر دور میں انتہائی موثر اور دلنشین ذریعہ اور محرک کے طور پر قابل قبول رہا ہے اور آج بھی اس مقدس عمل کو دین کے فروغ و اشاعت اور اس کے قیام و استحکام میں ایک موثر عامل کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی بھی مذہب یا طریقہ زندگی کو اصلاً اس مذہب کے مستند اور محفوظ تحریری سرمایوں کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے، جیسا کہ اس مذہب یا طریقہ زندگی سے متعلق معتدل اور صائب رائے قائم کی جاسکتی ہے کیونکہ کسی مذہب یا طریقہ زندگی کے ماننے والے بعض تحفظات و مفادات اور احکام و تعلیمات کی غلط تعبیرات و تہمیدات کی بنا پر عملی لحاظ سے قاصر و کوتاہ ہو سکتے ہیں اور اس طرح مذہب کی غلط نمائندگی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کسی بھی مذہب کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کی تعداد ہر دور میں کم رہی ہے اور بالعموم مذہب کی قدر و قیمت کا اندازہ مذہب کے ماننے والوں کے کردار و عمل سے لگایا جاتا ہے۔ اگر کسی مخصوص مذہب کے پیروں کی عملی زندگی اوصاف حسنہ سے مزین ہے اور اخوت و محبت اور دیگر انسانی اقدار و اوصاف کی ترجمان ہے تو مدعو یا مخاطب شخص کے دل و دماغ پر اس مذہب کی عظمت نقش ہو جاتی ہے، یہاں © rasailojaraid.com سے ملتا ہے۔

داعی کے اوصاف

دعوت کی راہ میں قول و فعل میں مطابقت، کشادہ ظرفی، رواداری، ہمساری، امانت کی ادائیگی، ایفاء عہد، عدل و انصاف کے قیام کے لیے فکر مندی، ظلم و نا انصافی کے خلاف محاذ آرائی، اچھائیوں کو فروغ دینے کی جدوجہد اور برائیوں کے انسداد کے اقدام و عمل، یہ سب اخلاق و کردار کے وہ مظاہر ہیں جو دعوت حق کے پرائز اور سحر انگیز ہونے کی ضمانت بنتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کے لیے حکمت عملی کی قرآنی تعلیم (۳) بہت ہی پر معنی ہے۔ داعی کیلئے اس سے بڑی حکمت عملی (Practical wisdom) یا تدبیر (Strategy) کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ داعی اپنی شخصیت کو کردار و عمل کے زیور سے آراستہ کرے۔

اساتذہ بطور نمونہ

اساتذہ مدارس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے تلامذہ کے لیے وہ خود بھی کردار و عمل کا نمونہ بنیں اور اپنے طلبہ کے تئیں حساس و بیدار مغز رہیں کہ ان کے اندر وہ خلاف شان اخلاق نشو و نما نہ پائیں جن سے مادر درس گاہ کی اور یہاں کے اساتذہ اور انتظامیہ کی غلط تصویر سامنے آئے اور نتیجتاً نوجوان نسل کی شکل میں قوم کی یہ امانت قوم و ملت کی امیدوں اور تمناؤں کو پامال کر دے۔ اگر اساتذہ اور انتظامیہ طلبہ کے کردار و عمل کے تئیں فکر مندی کا ثبوت دیں اور اخلاق حسنہ اور اقدار عالیہ کی نشو و نما کو مرکز توجہ بنائیں تو دینی اداروں کے قیام کا مقصد پورا ہوگا اور مدارس کے ماحول سے نکلے ہوئے ملت کے جیالے اپنی بھلائی کے ساتھ ساتھ پوری قوم بلکہ پورے ملک کی خیر و فلاح میں زبردست عامل بن سکیں گے۔

مطالعہ کی طرف مائل کرنا

بلندی اخلاق کی منزل کی یافت اُسی وقت ممکن ہے جب خود مدارس کے اساتذہ اور انتظامیہ کے افراد عملی لحاظ سے ان طلبہ کے سامنے نمونہ بن جائیں۔ تلامذہ کے تئیں اخلاق عالیہ کی افزائش میں اہل مدارس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مقدس مشن اور عظیم الشان کام دعوت الی اللہ (۴) کا انھیں خوگر بنائیں اور اس کے موثر ہونے میں اخلاق و کردار کی رفعت کو بے نقاب کریں۔ اس سلسلے میں طلبہ کو ان کتب کے مطالعہ کی طرف بھی راغب کرنا ہوگا جو امت اور افراد امت کے مقام و مرتبہ اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے تئیں ان کی ذمہ داریوں کو واضح اور دلنشین انداز میں دکھاتی ہوں اور دوسری طرف اسلاف کی پر نور اور مثالی زندگیوں کو پشت از بام کرتی ہوں۔

قلبی کشادگی و فراخ دلی

ایک بڑی ذمہ داری جو اساتذہ مدارس پر عائد ہوتی ہے، وہ یہ کہ وہ خود بھی فراخ ذہن اور کشادہ

قلب ہوں اور طلبہ و طالبات میں اس وصف کو نشو و نما دینے کے لیے کوشاں و سرگرم عمل ہوں۔ اس تربیت کے نتیجے میں طلبہ کے اندر اس وسعت ظرفی اور انسانوں کے مابین بھائی چارگی کا آفاقی تصور پیدا ہوگا اور ان کا وجود انسانیت کے لیے خوشگوار اور قابل نیک ثابت ہوگا۔ برادری کا عالمگیر تصور قرآن مجید ان الفاظ میں دیتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۵)

اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم لوگوں کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا۔

اخوت اور بھائی چارگی کے آفاقی تصور کو قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ بھی مبرہن کر دیتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (۶)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہوں اور قبائل میں بنایا تاکہ تم ایک دوسرے سے متعارف ہو سکو۔

گویا انسان چاہے جس خطہ ارض سے تعلق رکھتا ہو اور جس رنگ و نسل کا مدعی اور جس گروہ و قبیلہ کا حامی ہو، اس کے دوسرے انسانوں پر حقوق ہیں اور دوسرے انسانوں کے تئیں اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔

انسانیت کا سبق

رشتہ انسانیت ہی وہ رشتہ ہے جو دنیا کے تمام لوگوں کو ایک دوسرے کیلئے جینے کا سبق سکھاتا ہے۔

مذہب اسلام میں برادری کے آفاقی اور عالمگیر تصور کی معنویت اس حدیث قدسی سے بھی عیاں ہوتی ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرَضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوذُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ إِنَّ عَبْدِي فَلَانًا مَرَضَ فَلَمْ تَعُدَّهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطَعْتُمْكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ لَسْتَطَعَمَكَ عَبْدِي فَلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَهُ ذَلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تُسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ لَسْتَطَقَّ عَبْدِي فَلَانٌ فَلَمْ تُسْقِ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ لَسَقَيْتَهُ وَجَدْتَهُ ذَلِكَ

(۷) عِنْدِی

بلاشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایک بندے سے فرمائے گا کہ آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا اور تو نے میری عیادت نہیں کی، تو بندہ تعجب سے کہے گا کہ اے میرے آقا! میں تیری عیادت کیسے کرتا، حالانکہ تو دونوں جہاں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے قریب پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں نے تم سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، تو بندہ حیرت سے عرض کے گا کہ اے میرے آقا! آپ تو ساری دنیا کے پالنے والے ہیں، آپ کو میں کیسے کھانا کھاتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اسے کھانا نہیں دیا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تو نے اسے کھانا کھلایا ہوتا تو تو نے اسے میرے پاس پایا ہوتا۔ اسی طرح وہ ایک بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار تھا، لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا تو بندہ (حیرت و استعجاب سے) کہے گا کہ اے میرے آقا! آپ تو پوری دنیا کو سیراب کرنے والے ہیں، آپ کو میں کیسے پانی پلاتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ سنو! اگر تو نے اسے پانی پلایا ہوتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔

انسانی قدروں کا تحفظ

مدارس کی مخصوص چار دیواری میں جہاں اساتذہ کرام سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو توسع اور بہبودی انسانیت کا ترجمان بنائیں، وہیں ان سے یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ جو پائے تعلیم و تربیت طلبہ و طالبات کے اذہان و قلوب میں قرآن و سنت کی ان تعلیمات کی آبیاری کریں جو تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور غمخواری کی ترجمان ہیں۔ مدارس کا امتیاز اس میں قطعاً نہیں ہے کہ شب و روز زبان پر قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں ہوں یا ان کی انفرادیت کی ترجمانی اس سے بھی نہیں ہوتی کہ چند احادیث مبارکہ اور قرآن پاک کی آیات کو ذہنوں میں محفوظ کر لیا جائے، ہدایہ اور قدوری کی عبارتیں ذہن نشین کر لی جائیں اور مخصوص نقطہ نظر یا مسلک فکر پر طبع آزمائی کرتے ہوئے فرقہ بندی اور مسلک پرستی کے جذبہ و عمل کو شہ دیا جائے، بلکہ ان مدارس کا امتیاز اس میں مضمر ہے کہ پاکیزہ اور روحانی ماحول میں انسانی قدروں کے تحفظ کا سبق حاصل کیا جائے، پوری انسانی برادری کے تئیں جذبات اخوت و محبت کی افزائش کی جائے، انسانیت، بشر دوستی اور بہبودی خلائق کے متعلق قرآن و حدیث کی تعلیمات کو اس سلسلے میں راہنما

نقوش کے طور پر اختیار کیا جائے تاکہ عملی زندگی میں اسلام کے صحیح نمائندے بن کر ملک اور معاشرے میں بلکہ پوری دنیا میں حتیٰ المقدور اسلام کی درخشاں تصویر پیش کی جاسکے۔

مسلمی تشدد سے اجتناب

مسلمی تشدد آج امت مسلمہ کے لیے عفریت ہے جو امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے ظاہری اور معنوی دونوں لحاظ سے کمزور و ناتواں بنا دیتا ہے اور دوسری طرف یہ امت افراد معاشرہ اور اقوام عالم میں ایک پستہ قد اور شکست خوردہ امت کی حیثیت سے متعارف ہوتی ہے۔ یہ مسلمی تشدد صرف امت مسلمہ کے وجود کو ہی خدوش نہیں کرتا بلکہ کسی بھی ملک اور قوم کے خوشنما چہرے پر داغ بن کر ابھرتا ہے۔ ایسے حالات میں یکجہتی اور اتفاق کے منصوبے کما حقہ کارگر ثابت نہیں ہوتے اور نتیجتاً ملک و قوم کو بھی خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔

اتحاد امت کی تلقین

مدارس کے اساتذہ سے نہ تو اس بات کا مطالبہ ہوتا ہے اور نہ ہی یہ مقصود ہے کہ تمام لوگ ایک مسلک اور ایک مکتبہ فکر کے نمائندے بن جائیں اور طلبہ کو بھی اسی نیچ پر چلنے کے لیے مجبور کریں۔ نہ ہی یہ ممکن ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ ہاں مسالک اور مکاتب فکر کے اختلاف کے باوجود اساتذہ آپس میں ایک دوسرے کے تئیں رواداری اور فراخ دینی کا ثبوت دیں، جزئیات میں مختلف الخیال ہونے کے باوجود اصول اور کلیات میں ملت واحدہ ہونے کا عملی ثبوت پیش کریں اور ایک دوسرے کے مخصوص مسلک اور نقطہ نظر کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں۔ یہ عملی نمونہ جب مدارس کے طلبہ و طالبات کے سامنے ہوگا تو ان کے سامنے اختلاف امتی و حمة ہونے کی معنویت بے نقاب ہوگی اور میدان عمل میں ان کا موثر وجود بھی تسلیم کیا جاسکے گا۔

مناظرہ بازی سے اجتناب

طلبہ اور طالبات کے اندر مناظرہ اور مناقشہ کے رجحانات کو فروغ دینا صحت مند فکر و خیال کی غمازی نہیں ہے۔ علمبرداران اسلام آپس میں انا اور تعلیٰ کے جذبے سے معمور ہو کر مناقشہ اور مناظرہ کی روش اختیار کریں اور خلاف شان رویہ کا مظاہرہ کریں یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کفر و الحاد کے فتوؤں سے نوازیں، یہ افراد امت کی شان سے فرور عمل ہے، بلکہ یہ عمل عام قبیحین اسلام کے لیے خلوص و للہیت کے ساتھ اسلام سے وابستگی میں ایک بڑے حارج اور زبردست مزاحم کی حیثیت رکھتا ہے اور آپسی انتشار و افتراق کے لیے فضا ہموار کرتا ہے۔

گروہوں اور جماعتوں کا وجود عمل میں آتا ہے اور ہر گروہ یا ہر جماعت کل حزب بما للہ فیہ فرقہ (۸) کے مطابق اپنی حیثیت منوانے کے لیے فکر مند اور کوشاں رہتی ہے اور دوسرے کو مجروح کرنے میں جذبہ مسابقت کا ثبوت دیتی ہے۔ کیا یہی نہیں کہ امت داخلی مشکلات و حوارج میں گھرے رہنے کی وجہ سے کمزور و در ماندہ ہو جاتی ہے بلکہ قومی، ملکی اور عالمی سطح پر اس کی شبیہ خراب ہو جاتی ہے۔

موت کی یاد

آج دنیا میں ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازی کی جارہی ہو یا مال و جان اور عزت و آبرو کو ناپاک عزائم کا ہدف بنایا جا رہا ہو، باہمی عداوت و منافرت کے شہ پانے کی بات ہو یا کمزوروں اور زیر دستوں پر ظلم و تعدی کا معاملہ، ان تمام قلق انگیز اور انسانیت سوز احوال کے قہر پذیر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آج انسان موت کے بعد کی زندگی میں جوابدہی کے احساس کو بالائے طاق رکھ چکا ہے اور دنیوی مفادات و لذائذ اس کا مرکز توجہ بلکہ ہدف و مقصود بن گئے ہیں۔ یقیناً قرآن و سنت کی روشنی میں دنیا یا متاع دنیا شجر ممنوع نہیں ہے، بلکہ اگر مال جائز طریقے سے حاصل کیا جا رہا ہو اور جائز مصارف میں استعمال ہو رہا ہو، اسی طرح اگر اولاد صالح ہو اور دین داری کی راہ پر چلتے ہوئے مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن رہی ہو (۹) تو یہ دنیا حسد بن جاتی ہے جس کے لیے بندہ مومن شب و روز کی نمازوں میں بھی اور دیگر اوقات میں بھی مالک حقیقی کے سامنے دست بدعا ہوتا ہے (۱۰) اسکے برعکس یہ دنیا اگر ناجائز طریقے سے حاصل کی جارہی ہو اور ناجائز مصارف میں استعمال ہو رہی ہو اور اولاد اگر دین دارانہ روش سے منحرف ہوتے ہوئے بندہ مومن کی آنکھوں کی شبیر بن رہی ہو تو یہ مال و اولاد زحمت اور مصیبت ہیں۔ (۱۱)

قرآن و سنت کے اس تصور کی آبیاری اور اس جہت سے طلبہ مدارس کی ذہن سازی کے لیے مدارس صبیہ کا ماحول بڑا ہی سازگار ثابت ہوتا ہے۔ ماحول اور معاشرے میں لعل و گہر بن کر نکلنے والے طلبہ اس فکر کی افزائش میں تردد و متذبذب کے شکار نہیں ہوتے بلکہ بطیب خاطر اسے قبول کرتے ہیں اور اس نقطہ نظر کے فروغ میں عملی طور پر فعالیت کا ثبوت دیتے ہیں۔

عزالت نشینی سے اجتناب

یقیناً قرآن مجید اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں یہ تعلیم سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا دار العمل اور دارالاسباب ہے۔ (۱۲) اسباب و وسائل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا یا انہیں چھوڑ کر گوشہ گیر نہیں ہوا جاسکتا۔ ترک دنیا یا عزالت نشینی سا حوا نہ طرز زندگی ہے اور قرآن مجید اس کے خلاف علم بلند کرتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقًّا

(۱۳) رَعَالِيَهُمْ

اور رہائیت انھوں نے خود ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر انکی پابندی کرنے کا جوتق تھا اسے ادا نہیں کیا۔

دوسری طرف بندہ مومن کے لیے دنیا مرغوب و محبوب یا مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ قائم و دائم رہنے والی آخرت کی زندگی ہی بندہ مومن کی منزل مقصود اور متاع گراں مایہ ہے۔ اس فکر کو ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دنیا کی بے بضاعتی کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ تمثیلی انداز میں دنیا کی کم مائیگی اور اس کے بودے پن کو واضح کیا جاتا ہے۔ رب العالمین کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیے:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُهُمْ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُهُ قِطْرًا مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا (۱۴)

جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری شپ، ٹاپ اور تمہارا آجی میں ایک دوسرے پر فخر جتنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔

دنیا کی اس زوال پذیری اور بے ثباتی کو نبی کریمؐ کے مقدس فرامین میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک موقع پر رسالت مآبؐ نے فرمایا:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (۱۵)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

دنیا کی زوال پذیری

دنیا کے بے وزن ہونے اور اس کے بے وقعت ہونے کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے جس میں اس کی مثال سمندر میں ڈبوئی ہوئی انگلی کے ناخن پر باقی رہنے والی تری سے دی گئی ہے۔ (۱۶)

آخرت کیلئے تیاری: قرآن و سنت کی روشنی میں ایک طرف تو دنیا کی بے وقعتی اور بے ثباتی سامنے آتی ہے اور دوسری طرف آخرت کی ابدی زندگی کے لیے تیار رہنے بلکہ اس سلسلے میں

جذبہ مسابقت کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ایک جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُنْتُمْ نَفْسًا مَّا قَدَّمْتُمْ لِغَدٍ (۱۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو اس بات کے لیے فکر مند رہنا چاہیے کہ اس نے کل کی زندگی کے لیے کیا بھیج رکھا ہے۔

ایک جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ (۱۸)

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر

ایمان لائے ہیں۔

استغفار کی ترغیب: مغفرت الہی اور آخرت کی ابدی اور لازوال کامیابی کے حصول کی ترغیب و تشویق اس آیت کریمہ میں بھی واضح ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (۱۹)

دوڑ چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور جو تیار کی گئی ہے خدا ترس لوگوں کے لیے۔

صحیح و غلط میں تمیز: حدیث پاک میں ایسے شخص کو دانا و بیانا اور عاقل و فرزانه سے تعبیر کیا جاتا ہے جو دنیا کی اس زندگی میں صحیح و غلط اور جائز و ناجائز میں تمیز کرتے ہوئے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے زندگی گزارے اور یہ کہ اس کی زندگی کا ہر عمل ابدی زندگی کی قیام گاہ کے حصول سے متعلق ہو جائے۔ رسالتاً ب کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:

الْكَيْسُ مِمَّا مَنْ كَانَ نَفْسَهُ وَعَمَلَهُ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (۲۰)

ہم میں سے ذکی و فطن وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کیلئے عمل کرے۔

دنیا اور سامان دنیا کے تعلق سے دینی جامعات کے طلبہ و طالبات میں یہ شعور پختہ کرنا کہ اس فانی زندگی کے سامان عیش و عشرت بھی فانی ہیں اور یہ کہ ان پر فریفتہ ہو کر لاقانی زندگی کی مسرتوں سے محرومی ہاتھ آتی ہے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ عبوری زندگی پر مستقل اور ابدی زندگی کو ترجیح دی جائے، اس زوال پذیر اور تغیر آشنا دنیا کے اسباب و وسائل کو لاقانی دنیا کی لذتوں کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے

اور فکر و عمل اور سعی و کوشش کا محور اس زندگی کو بنایا جائے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے اور وہاں جو عیش و عشرت میسر ہوگی اس کو کبھی فنا نہیں ہے۔ اساتذہ اور تلامذہ کے مقدس اور روحانی رشتوں کے اس معدن و مرکز میں قافی اور لاقافی زندگی سے متعلق ان افکار عالیہ کا چلن عام ہو جائے اور صحیح معنوں میں طلبہ کی شخصیت دنیا اور آخرت سے متعلق درخشاں قرآنی افکار کی ترجمان بن جائے تو بلا تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایسے طلبہ جب عملی زندگی میں قدم رکھیں گے تو خود اپنے گھر اور خاندان کے لیے اور دوسری طرف معاشرہ اور ملک کے لیے مفید و سودمند ثابت ہوں گے۔ اس لیے کہ دولت و ثروت سے بے جا محبت کے لیے ان کے دل میں گنجائش نہیں ہوگی، دنیا کی بے ثباتی سے وہ واقف ہوں گے اور آخرت کی ابدی زندگی کی لازوال کامیابی ان کے منظر نظر ہوگی، اس لیے وہ جہاں کہیں بھی رہیں گے اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کو فراموش نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسے لوگ دوسروں کے حقوق و مراعات کے تحفظ اور جان و مال اور عزت و آبرو کی بقا کو فریضہ قرار دے کر دنیا کے بازار میں سرگرم عمل رہیں گے۔

فساد فی الارض سے اجتناب: خدا کی زمین کو فساد سے بھر دینے کی جو سازشیں اختیار کی جاتی ہیں اور جن نت نئے حربوں کا استعمال کیا جاتا ہے ان میں ایک انتہائی مذموم و مسموم حربہ یہ ہے کہ دوسروں کے مذاہب اور ان کے مقدسات پر طعنہ زنی اور سب و شتم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ضلعی سطح پر ہو یا صوبائی سطح پر، ملکی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر اگر اس قسم کے جذبات اور اقدامات کسی بھی مذہب کے علمبردار کی طرف سے ہوں، بہر حال خوشگوار ماحول کو مکدر کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اس اعتراف حقیقت سے گریز نہیں کیا جانا چاہیے کہ قومی اور بین الاقوامی دونوں سطح پر وقتاً فوقتاً مذہب کے معتقدات اور مقدسات پر طعنہ زنی اور ہرزہ سرائی کی جاتی ہے جس کی بنیاد پر حالات خراب ہوتے ہیں اور یہ عمل ایک طرف کسی بھی ملک یا قوم کی وحدت و سلطیت اور ترقی و کامرانی کی راہ میں مانع اور مزاحم بنتا ہے تو دوسری طرف اس کی شبیہ ملکی سطح پر بھی اور عالمی سطح پر بھی محدود ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں قرآن و سنت کے امین اور اخلاقی قدروں کے محافظ مدارس ہی وہ کارہائے نمایاں اور خدمات جلیلہ انجام دے سکتے ہیں جن کی بنا پر ملک میں امن کا ماحول بن سکتا ہے اور اقوام عالم میں ایک صحت مند اور توانا ملک کی حیثیت سے اس کی شناخت قائم ہو سکتی ہے۔ اساتذہ مدارس اور ذمہ داران ادارہ کی توجہ طلبہ کی اچھی تربیت اور کردار سازی پر مرکوز ہوتی ہے اور اخلاص و دسوزی کے ساتھ وہ انھیں قوم کی امانت سمجھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مسئول و جوابدہ ہونے کے علاوہ اس عارضی دنیا میں بھی قوم و ملت کے مواخذہ کا احساس انھیں کچھ کے لگانا ہے اور دوسری طرف ملک و ملت کے لیے ماڈل کی شکل میں تیار شدہ طلبہ کے درخشاں مستقبل کا تصور انھیں ہمیز کرتا ہے کہ ان کی شخصیت کو آراستہ و مزین کرنے میں

مدارس کی شناخت ہی اس سے ہے کہ وہ مثالی داعی پیدا کرتے ہیں اور بلاشبہ وسعت ظرفی، تحمل، کشادہ قلبی، بشر دوستی، داعیانہ اوصاف کے لوازم ہیں۔ چنانچہ اللہ کے وہ بندے جو اس کے عطا کیے گئے ضابطہ زندگی کی شکل میں اسلام کی عظیم ترین نعمت سے محروم ہیں ان پر اور ان کے معبودوں پر سب و شتم کی سختی سے ممانعت کی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا مَبِغِضٍ عَلَيْهِ (۱۸)

یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ (یہ شرک سے آگے بڑھ کر) جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

مقدسات کا احترام: کیا فرق داریت کو شہ دینے والے عوامل و اسباب کی بیخ کنی کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے معابد و مقدسات کا احترام اور ان کی حفاظت کی تعلیم و تلقین قرآن و سنت کی تعلیمات سے مضبوط ہے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم شہریوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوں اور پیش آمدہ امور و مسائل میں فیصلے ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کی اہم پالیسیوں میں تھی۔ دوسرے مذاہب کے علمبرداروں، ان کی مقدس کتب اور عبادت گاہوں کے تئیں رواداری اور کشادہ ظرفی کی تعلیم اور مدارس دینیہ میں اس کے روح پرور مظاہر مدارس کو ہدف تنقید بنانے والوں کو آج بھی دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔

آج عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کی آفاقیت، جامعیت اور اس کی سحر انگیزی سے اعداء اسلام ہر اسان و پریشاں ہیں۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انھیں خطرہ لاحق ہے اس لیے اس کی عظمت و معنویت کو وہ خندوش و مجروح کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اعداء اسلام کی ان کوششوں کی تصویر کشی اپنے زمانہ نزول میں کی تھی، لیکن کم و بیش سوا چودہ سو سال قبل کا یہ اعلان آج کے دور پر پوری طرح صادق آتا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَكَوْكَرَةَ الْكَافِرُونَ (۲۲)

وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کے پھونکوں سے بجھا دیں لیکن وہ اپنے نور کو

کو کھل کر کے رہنے والا ہے۔

اسلام اور مغرب کی کشمکش: آج مشرق و مغرب کے تمام اغیار و ا جانب اسلام اور اہل اسلام کو مجروح کرنے پر متفق نظر آتے ہیں۔ بالخصوص اہل مغرب نے صلیبی جنگوں میں شرمناک ہزیمت و ہسپائی کے بعد قلم و قراطس کا سہارا لیا ہے اور فکر و آرا © rasailojaraid.com مجید، محمد عربی، ازواج مطہرات،

پردہ، غلامی، حقوق نسواں اور عدل و مساوات، ان کے خاص موضوعات ہیں جن پر یہ حضرات اپنے ذہن و فکر کی قوت اور قلم و قریاں کا سرمایہ صرف کرتے ہیں۔ ان کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کا بالعموم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلام کو ادیان و مذاہب کی بزم میں طفل مکتب ثابت کیا جائے جو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں سے بھرا ہوتا ہے اور بڑوں اور بزرگوں کا حاشیہ نشیں بن کر خوشہ چینی کرتا ہے۔ کیا اسلام کے مقدس اور نورانی چہرے کو غبار آلود کرنا آج اعداء اسلام بالخصوص یورپ کے دانشوروں کا طرہ امتیاز بن گیا ہے۔ ایسے حالات سے نبرد آزما زمانی کے لیے عصری علوم کے مراکز پرستہ قدر نظر آتے ہیں۔ علم و تحقیق کے اس قافلے سے معرکہ آرائی اور دشمنان اسلام کو اسلام کے رخ زیبائی کی رونمائی وہ مراکز تعلیم و تربیت ہی کر سکتے ہیں جہاں قرآن اور سنت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جہاں شرح و بسط کے ساتھ اسلام کی زریں تعلیمات کو مستند مآخذ و مصادر کے ذریعہ عام کیا جاتا ہے اور طلبہ کے ذہن و فکر کو ان سے مزین و آراستہ کیا جاتا ہے۔

قدیم و جدید فتنوں کا تعاقب: مدارس کے فارغین کی ہی ذمہ داری ہے کہ اسلام کے خلاف مشرق و مغرب کے اٹھتے ہوئے طوفان بلاخیز کا مقابلہ کریں۔ اس سلسلے میں ایک طرف تو ان کے شکوک و شبہات کا رفع و ازالہ کرنا ہوگا، اسلام سے متعلق ان کے اعتراضات کا جواب دینا ہوگا اور متعلقہ موضوعات سے متعلق مثبت انداز سے مستند مآخذ کی روشنی میں اسلام کی حقانیت کو پیش کرنا ہوگا۔ ہاں مؤثر اور دور رس اثرات و نتائج کے لیے فارغین مدارس کو حالات و ضروریات کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا اور اسلام کی عملی تصویر بننے ہوئے مخاطب اور مدعو کی زبان پر دسترس حاصل کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں اساتذہ اور ذمہ داران مدارس کا رول بڑا اہم ہوگا۔ انگریزی زبان سکہ رائج الوقت ہے، اگر اس کی قدر کی گئی اور اس میدان میں حذق و کمال پیدا کر لیا گیا تو داعی دنیا کے بازار میں بھی چمکتا ہے اور اس فریضہ منصبی کو بھی کما حقہ ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے جسے دوسرے لوگ ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ انتظامیہ کو ناگزیر ترین ضرورت کی حیثیت سے مخاطب اور مدعو کی زبان کو باضابطہ شامل نصاب کرنا چاہیے۔ طلبہ و طالبات کی صلاحیتوں میں اس جہت سے کس حد تک افزودنی ہو رہی ہے، کون سی خامیاں ہدف مقصود تک پہنچنے میں مانع ہو رہی ہیں اور ان پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے، ان سب پر نظر رکھنا انتظامیہ کا فریضہ ہے۔ اساتذہ کو اس بات کا احتضار و یقین ہونا چاہیے کہ اگر قرآن، سنت اور فقہ میں بصیرت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مخاطب کی سمجھی جانے والی زبان میں بھی طلبہ کے اندر ملکہ پیدا کر دیں تو کیا حقیقی معنوں میں وہ ایسے مجاہد پیدا کرنے میں کامیاب ہیں جو احساس کمتری سے بالا ہو کر اسلام کے پر شکوہ وجود کو دنیا کے سامنے مستند ترین طریقے سے پیش کر سکیں گے۔ اسلام کے روشن چہرے پر اغیار کی جانب سے ڈالے گئے گرد و غبار کو صاف کر سکیں گے اور ان کی تہذیب و معاشرت میں

کر سکیں گے۔

جدید دنیا اور تحقیق: آج دنیا اکیسویں صدی کی دوسری دہائی سے گزر رہی ہے۔ ریسرچ و تحقیق کے متعدد معرکے سر کیے جا رہے ہیں، سائنس اور ٹکنالوجی بھی عروج پر ہے، مادی رفعت و بلندی بھی قابل رشک ہے، اعلیٰ طرز رہائش اور خورد و نوش کے معیارات بھی قابل فخر ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ پوری دنیا پر مادیت کا عفریت سوار ہے اور اس کے برعکس روحانیت عنقا ہوتی جا رہی ہے اور اخلاقی قدریں رو بہ زوال ہو رہی ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسانیت ہر چور ہے اور ہر شاہراہ پر شرمسار ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں اگر کسی مخصوص قوم و ملت کی خُصاۃً ثانیہ مقصود ہو تو یا کسی ملک و وطن میں امن و آشتی اور خوشحالی و فارغ البالی مطلوب ہو تو، آج انسانیت کے علم برداروں کو اور امن و آشتی کے متوالوں کو روحانیت کے مراکز کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ مسیحائی انہی اداروں سے متوقع ہے جہاں بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر اخلاق فاضلہ کے درس دیے جا رہے ہوں، جہاں اسلام کی آفاقیت کو ذہنوں میں نقش کیا جا رہا ہو اور عالمگیر برادری کے تصور کو تحریک مل رہی ہو، جہاں رواداری، کشادہ ظرفی کا سبق پڑھایا جاتا ہو، دلائل و براہین سے موقف کی وضاحت ہوتی ہو اور مناقشہ و مباحثہ کے رجحانات کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہو، جہاں حقوق انسانی کے تحفظ سے متعلق قیمتی اسباق کو ش گزار کئے جاتے ہوں، طعنہ زنی اور سب و شتم کے رویہ کو مذموم قرار دے کر دوسرے مذاہب، ان کے پیشواؤں اور ان کے مقدسات کی حفاظت کو فریضہ منہی قرار دیا جاتا ہو اور جہاں معاندین اسلام کی جارحیت اور ان کے ذہن و قلم کے بے محابا استعمال اور اشتعال انگیز نتائج کے خلاف فکری اور علمی تیاری کرائی جاتی ہو اور مدعو یا مخاطب معاشرہ کی زبان میں تحریر و تقریر کی مشق و تمرین کرائی جاتی ہو۔

(حواشی)

- | | | |
|------|---|--|
| (۱) | محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح، ج ۲، کتب الایمان، ص ۶ (۲) | القنفذ: ۲-۳ |
| (۳) | أخطل: ۱۱۵ (۴) | فعلت: ۳۳ (۵) النساء: (۶) الحجرات: ۱۳ |
| (۷) | مسلم بن حجاج القشیری: الجامع الصحیح، ج ۲، کتب البر، ص ۳۱۸ (۸) | الروم: ۳۲ (۹) الفرقان: ۷۴ |
| (۱۰) | البقرہ: ۲۰۱ (۱۱) | التحائم: ۱۵ (۱۲) |
| (۱۳) | المائدہ: ۲۰ (۱۵) | مسلم بن حجاج القشیری: الجامع الصحیح، ج ۲، کتب التحد، ص ۲۰۷ |
| (۱۶) | ابو یوسفی الترمذی: جامع الترمذی، ج ۲، ابواب التحد علی رسول اللہ، ص ۵۶ | |
| (۱۷) | أحشر: ۱۸ (۱۸) | المائدہ: ۲۱ (۱۹) |
| (۲۰) | احمد بن حنبل: المسند، ج ۴، ص ۱۲۳ (۲۱) | الانعام: ۱۰۸ (۲۲) |
| | | القنفذ: ۸ |